عہدِخلافتِ عثمانیہ میں بین المذاہب ہم آہنگی کے مظاہر

Manifestations of Interfaith Harmony in Ottoman Empire

Abstract

The Ottoman Empire is a remarkable sign of human prosperity, welfare, religious harmony and tolerance in the history of the nations. It highlights the ideal and splendid relationship between the Muslim ruling majority and all the minorities irrespective of their religions and cultural norms. This great Muslim Dynasty comprised of six centuries and three continents. The Non-Muslims had absolute religious, social, economic and political freedom. They did not face any prejudice and hatred rather they were given all types of security and protection in observing their multi-dimensional rights. The educated Non-Muslims enjoyed all the high ranks according to their profile. They were not only allowed to observe their religious obligations rather they were insured and secured to do so. They had the liberty to build up their worship places. In the Ottoman Empire, the Non-Muslims enjoyed all the basic facilities of education and health. They were free to lead a hassle free social and economic life. The great Muslim dynasty did not force any of its subjects to abandon his believes and accept the Muslim commandments. But, unfortunately, some segments of the modern world, especially a group of orientalists do not admit and accept this bright phase of the Muslim history. Today, they are of the opinion that the Muslims have been and are causing, promoting and propagating religious extremism, terrorism and Non-Muslim killing. It is the need of the literary and scholarly circles to bring forth the true and bright face of the Muslims with reference to a genuine and impartial study and analysis of the historical references. The following research article has been compiled to fulfill this present day need of the intellectual world.

Key Words:Interfaith ;harmony;ottoman ;empire;minirities

1.موضوع تحقیق کا تعارف ، اہمیت اور پسِ منظر

اسلام انسان دوستی اور امن و آشتی کا حامل وہ مثالی وکامل دین ہےجو مسلم وغیرمسلم کی تفریق کیے بغیر حُسنِ سلوک، مُساوات اور رواداری کا درس دیتا ہے ۔[1] اُصول وبراہین پر مبنی اس دین نے محض نظریاتی تعلیمات ہی فراہم نہیں کیں بلکہ عملی میدان میں اپنے پُر عزم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کامنفرد و بہترین نمونہ بھی پیش کیاہے۔سیرتِ رسول ﷺکےبابرکت اور معتبرریکارڈ میں میثاقِ مدینہ ،صُلح حدیبیہ، معاہدات اور مکتوباتِ نبوی کی صورت میں مذہبی ہم آہنگی اور باہمی تعاون و احترام کی بہترین مثالیں بھی موجودہیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دور اس قابلِ اتباع مذہبی و سماجی روایت کے حوالے سے بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔عہدِ خلافتِ راشدہ(11-40ھ) میں مذہبی آزادی اورعزت و تکریم کی فراہمی کے ذریعےمسلم و غیر مسلم تعلقات کی مضبوط بنیادیں استوار کی گئیں۔عہد ِبنو امیہ (41-132ھ)اور عہدِ بنو عباس (132-656ھ)مسلم و غیر مسلم تعلقات کے فروغ کے اعتبار سے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں

۔ کسی مذہبی تعصّب، سیاسی تناؤ اور معاشرتی اشتعال کے بغیران ادوار میں مختلف شعبہ جات میں غیر مسلموں کے ساتھ قبولیت و برداشت کا مظاہرہ کیا گیا۔وسیع و عریض جغرافیائی حدود کی حامل خلافتِ عثمانیہ (1281ء-1922ء) کاکردار اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اِس میں ترکی، کُرد ستان، البانیہ، یونان، شام، عرب، یمن، یورپ اورافریقہ کے مختلف ادیان سے تعلق رکھنے والےلوگ شامل تھے لیکن مسلم خلفاء نےکسی مذہبی تعصُّب کو آڑے نہیں آنے دیا ۔تمام شُعبہ جات میں غیر مسلموں سے بہترین تعلقات قائم کیے گئے۔ تمام مذاہب کے حاملین کوعدل وانصاف ،تحفظِ جان و مال، ترقی کے مواقع کی یکسانیت، ٹیکسوں کا کم سے کم بوجھ، تہواروں میں شرکت، عبادت گاہوں کا قیام ، رسم و رواج اور تہذیب و ثقافت میں مکمل آزادی حاصل تھی۔ان کے لیے الگ سے آزاد عدالتیں قائم کی گئیں تھیں جہاں اُن کے مذہبی رہنماقاضی کی حیثیت سےاپنے مذہب کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔مختلف ترقیاتی اور تعمیراتی منصوبہ جات میں ان کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ان تاریخی حقائق کے برعکس بعض اہلِ مغرب خصوصاًمستشرقین میں موجود بعض متعصّب طبقات اپنی تحریرات میں ایسی تصویر کشی کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد ہیں اور ان کے ہاں مذہبی برداشت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اس نامناسب پروپیگنڈے کا مؤثر جواب دینے کے لئے ضروری ہے کہ مشرقی و مغربی دُنیا میں غلبہ پانے والی عظیم مسلم ریاست یعنی خلافتِ عثمانیہ کا حقیقی تعارف کرایا جائے اور مذہبی آہنگی کے اس مثالی دور کی خصوصیات واضح کی جائیں۔مذہبی عدمِ برداشت سے متعلق اہلِ مغرب نے جو اعتراضات مسلم تاریخ سے متعلق کیےہیں اُن کا بہترین جواب خلافتِ عثمانیہ کی مذہبی رواداری کے مختلف مظاہر کے تجزیہ سے دیا جا سکتا ہے۔بلاشُبہ یہ عہد مسلمانوں کے اُن تجربات کا مجموعہ ہے جس کی بُنیاد میں مشرقی و مغربی دُنیا کا اتصال موجود ہے۔اسی علمی و فکری ضرورت کو پورا کرنےکے لیےموضوعِ تحقیق کے طورپر " عہدِخلافتِ عثمانیہ میں بین المذاہب ہم آہنگی کے مظاہر " کاانتخاب کیا گیا ہے۔مقالہ ہذاکو چاراجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے ۔مقالہ کے پہلے جُزو میں موضوعِ تحقیق کا تعارف ، اہمیت اور پسِ منظر واضح کیا گیا ہےاورمقالہ کے مختلف اجزاء کی داخلی تقسیم و ترتیب واضح کی گئی ہے۔ دوسرے جُزو میں خلافتِ عثمانیہ کے ارتقاء ، نظمِ مملکت اور طرزِ معاشرت کو بیان کیا گیا ہے۔تیسرے جُزو میں عہدِخلافتِ عثمانیہ میں بین المذاہب ہم آہنگی کے مظاہر کو زیرِبحث لایا گیا ہے جبکہ چوتھے جُزو میں خُلاصۂ بحث تحریر کیا گیا ہے۔

2.عہدِخلافتِ عثمانیہ : ارتقاء ، نظمِ مملکت اور طرزِ مُعاشرت

اسلامی تاریخ میں خلافتِ عثمانیہ اپنی وُسعت، نظم و ضبط اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے جتنا بلند مقام و مرتبہ کی حامل ہے اس کا آغازو ارتقاء بھی اُتنا ہی اہم اور دلچسپ ہے، عثمانی خلفاءکےآباؤاَجدادخراسان کے رہنے والے تھے،اُن کا تعلّق ایک تُرک قبیلہ سےتھا،اُن کا ایک خاندان آرمینیا میں آکرآباد ہوا، اُن کے سربراہ کانام سلیمان خان تھا۔261ھ میں چنگیز خان نےقونیہ پر حملہ کیا،اُس وقت قونیہ کا حکمران علاؤ الدین سلجوقی(Seljuk) تھا۔سلیمان خان کو جب اس حملے کی اطلاع ملی تواُس نےاپنے بیٹےارطغرل کوعلاؤالدین سلجوقی کی مدد کے لئے بھیجا،اس مدد کے باعث کامیابی علاؤالدین کے ہاتھ آئی،اس کےبدلہ میں سلجوقی بادشاہ نے اُسے سغوت کا زرخیز علاقہ بطور جاگیر دے دیا،اس مدد اورحُسنِ اتفاق سے ملنے والی جاگیر سے متعلق نامور انگریزمورخ اسٹین لے لین پول(Poole Stanley lane) لکھتا ہے:

> "He little thought that by his impulsive and chivalrous act he had taken the first step towards founding an empire that was destined to endure in undiminished glory for three centuries, and which even now, when more than six hundred years have elapsed."[2]

> "اس کو کیا معلوم تھا کہ اُس نےاپنے اس اضطراری اور بہادرانہ اقدام سے ایک ایسی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کی طرف پہلا قدم اٹھادیا تھا جس کی قسمت میں تین صدیوں تک انتہائی شان و شوکت کے ساتھ قائم رہنا تھا جو اب چھ صدیوں سے زائد عرصہ قائم رہ چکاہے۔"

علاؤالدین سلجوقی نے 634ھ میں وفات پائی، غیاث الدین سلجوقی اپنے باپ کا جانشین بنا، اُس کی صرف ایک بیٹی تھی،وہ ارطغرل(Ertuğrul) کے بیٹےعثمان خان کی حُسنِ کارکردگی سے بہت متاثر تھا،اُس نےاپنی بیٹی کی شادی عثمان سےکردی اور اُسے فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا،غیاث الدین کےانتقال کے بعداراکین سلطنت نے متفقہ طور پر عثمان کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا ۔ اس اعتبار سےعثمان خان دولتِ عثمانیہ کا بانی قرار پایا،یہی وہ عثمان ہے جس کی نسبت سے تُرک سلاطین کوسلاطینِ عثمانیہ کہا جاتا ہے ۔ اٹھائیس عثمانی خلفاء1299ء سے 1922ء تک 625 سال تک برسرِ اقتدار رہے،عثمانی حکومت کے اتنی مدت تک قائم رہنے کا سبب محض عثمانیوں کی فطری جنگجوئی نہیں ہے بلکہ اس کا اصلی سبب اس کا حیرت انگیز نظمِ مملکت ہے،یہ اپنے زمانہ کا بہترین نظامِ حکومت سمجھا جاتا تھا ۔بنو اُمیہ اور بنو عباس کے زمانہ میں بے شمار رقیبوں اور دعویداروں کی کش مکش نظر آتی ہےلیکن سلاطین عثمانیہ کی خلافت کی پوری تاریخ

میں کسی ایک مدعی خلافت کا نام بھی ڈھونڈکر نہیں نکالا جاسکتا ۔حکومت کے دعویدار سینکڑوں اٹھے ہوں گئے مگر اسلام کی مرکزی خلافت کا دعوٰی کوئی نہ کر سکا۔[3]اس حیرت انگیز نظامِ حکومت کے متعلق پروفیسر لی بائر(A.H. Lybyer)اپنی محققانہ تالیف میں لکھتے ہیں:

> " Perhaps no more daring experiment has been tried on a large-scale upon the face of the earth than that embodied in the Ottoman Ruling Institution. Its nearest ideal analogue is found in the Republic of Plato, its nearest actual parallel in the Mameluke system of Egypt; but it was not restrained within the aristocratic Hellenic limitations of the first, and it subdued and outlived the second. In the United States of America men have risen from the rude work of the backwoods to the presidential chair, but they have done so by their own effort and not through the gradations of a system carefully organized to push them forward. It never asked its novices, "Who was your father?" or "What do you know?" or even "Can you speak our tongue?"; but it studied their faces and their frames and said, "You shall be a soldier, and if you show yourself worthy, a general," or, "You shall be a scholar and a gentleman, and if the ability lies in you, a governor and a prime minister."[4]

"دنیا میں عثمانی نظام حکومت سے زیادہ دلیرانہ تجربہ اتنے بڑے پیمانہ پر شاید نہیں کیا گیا ہے، جو نظریہ اس سے قریب ترین مشابہت رکھتا ہے وہ افلاطون کی جمہوریہ میں پایا جاتا ہے اور جو نظام عملاًاس کی نظیر ہے وہ مصر کا مملوکی نظام ہے، لیکن عثمانی نظام اول الذکر کی اشرافی یونانی حد بندیوں میں محدود نہ تھا اور آخر الذکر کو مغلوب کر کے یہ اس سے زیادہ عرصہ تک قائم رہا ، اس میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جو پہلے جنگل میں لکڑیاں کاٹا کرتے تھے اور بھرترقی کرکے صدارت کی کرسی پر پہنچ گئے ، لیکن انہوں نے یہ مرتبہ صرف اپنی کوشش سے حاصل کیا نہ کہ کسی ایسے نظام کے سلسلہ مدارج کے ذریعہ جو انہیں ترقی دینے کے لیے باقاعدہ مرتب کیا گیا ہو ۔ وہ اپنے نوآموزوں سے کبھی یہ سوال نہیں کرتا تھا کہ تمہارا باپ کون تھا؟ یا تم کیا جانتے ہو ؟ یہ کبھی نہیں پوچھا کہ تم ہماری زبان بول سکتے ہو ؟ بلکہ وہ ان کے چہروں اور جسموں کو غور سے دیکھنے کے بعد اس سے کہتا تھا تم سپاہی بنو گے اور اگر لیاقت کا ثبوت دو گے تو ایک جنرل بن جاؤ گے یا تم ایک عالم و

فاضل اور معزز شخص ہوجاؤ گے اور اگر تمہارے اندر قابلیت موجود ہے تو گورنر اور وزیر اعظم بن جاؤ گے۔"

شرق و غرب کے بہت سے مؤرخین نے عثمانی خلفاء کے طرزِ زندگی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے ۔ یہ لوگ سادگی اختیار کرنے والے،فطرت پسند اور شرم و حیا کے پیکرتھے ۔ان کے عہد میں خواتین بلا خوف و خطر سڑکو ں پر چلتی پھرتی تھیں ، مہمان نوازی عام صفت تھی ،یہ لوگ قہوہ کے بہت شوقین تھے ۔ شراب نوشی ، جوئے اور قمار سے نفرت کرنے والے تھے۔مکان بہت سادہ لیکن صفائی کا خیال رکھنے والے تھے۔ اُن کے طرز معاشرت سے متعلق مولاناشبلی فرماتے ہیں:

"تُرکوں کی مُعاشرت میں مجھ کو جو چیز سب سے زیادہ پسند ہے وہ یہ ہےکہ باوجود نفاست پسندی اور عالی دماغی کے فضول شان و شوکت کا نام نہیں، بڑے بڑے وزراء وامراءبازار میں نکلتے ہیں تو معمولی حیثیّت سے نکلتے ہیں ، میں نے بار ہا وزیراعظم کی سواری دیکھی ہے ، صرف دو تین سوار ساتھ ہوتے ہیں ، مکانات اور تمام مُعاشرت کی چیزوں میں بھی سادگی پائی جاتی ہے۔کچھ شُبہ نہیں کہ تُرکوں کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ ہیں۔غرور و نخوت، ترفع اور کم بینی ، ان میں نام کو نہیں ، امیر و غریب، مزدور و عہدہ دار، وضیع و شریف ، جاہل و عالم ، ہر درجہ کے لوگوں سے مجھ کو سابقہ پڑا ، لیکن   خوش اخلاقی اور فیاض طبعی میں گویاسب ایک ہی مکتب کے شاگرد اور ایک ہی سانچے کے ڈھلے تھے۔"[5]

خلافتِ عثمانیہ کے قیام و استحکام ،نظم وضبط ،وُسعت وعظمت اورتمدنی رفعت نے انسانی تاریخ پر اَنمٹ نقوش مرتب کئے،یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہلِ علم نے اس عہد کےخلفاء کے اخلاق و کردار اور مُعاشرت و تہذیب کی ستائش کی ہے۔

3. عہدِخلافتِ عثمانیہ میں بین المذاہب ہم آہنگی کے مظاہر

عثمانی خلفاء نے بین المذاہب   رواداری کی عظیم الشان روایات قائم کیں۔ غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا ، انہیں تعلیم و تربیت کی بہترین سہولیات فراہم کی گئیں، اہم عہدوں پر فائز کیا گیا، ان کے مذہبی پیشواؤں کی تعظیم کی گئی ۔ ان کے شخصی معاملات سے متعلق مقدمات میں انہیں اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے فیصلے اپنی شریعت کے مطابق کریں۔ ریاست کے طول و عرض میں اپنے اپنے مذاہب کی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی اور اُن کی حفاظت کے لیے بہترین فکری و انتظامی

بندوبست کیے گئے ۔الغرض عثمانی خلفاء نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک ، فراخ دلی ، ہمدردی اور پُرامن بقائے باہمی کو فروغ دے کرانسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں شاندارکردار ادا کیا،اس مخصوص عہد میں بین المذاہب ہم آہنگی کے جو مظاہر سامنے آئے اُن کی وضاحت درج ذیل نکات کی صور ت میں پیش کی جاتی ہے۔

ا۔مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے قانون سازی

عثمانی خلفاء نے مختلف مذہبی اکائیوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے محض عارضی نوعیت کے انتظامی و سیاسی اقدامات ہی نہیں کیے تھے بلکہ اس ضمن میں آئین و دستور کی اساس کو مستحکم و ہم آہنگ کیا تھا۔سلطان محمد فاتح کے عہد میں خلافتِ عثمانیہ کی جغرافیائی حدود شرق وغرب میں پھیل گئیں جو غیر مسلم رعایا کے یقینی اضافے کا باعث بنیں۔سلطان کی انسان دوستی ، وسعتِ قلبی ،رحم دلی اورغیرمسلم رعایا سے حُسنِ سلوک دیکھ کر یہودی اور عیسائی مہاجرین نےخلافتِ عثمانیہ کا رُخ کر لیا۔دارالحکومت استنبول ہی ایک ایسی پناہ گاہ تھی جو اس وقت کے مظلوم لوگوں کے لئے کھلی ہوئی تھی ۔مختلف طبقات کی آبادی جن کا تعلق یورپین ممالک سے تھا اس دار الحکومت آ گئے ۔وہ آزادانہ طریقے سے رہنے لگے اوراپنے لئے قابلِ عزت ذریعہ معاش بھی حاصل کرنے لگے۔ نتیجے کے طور پر ان لوگوں نے اپنے مذہبی عقائد کے مطابق اپنے گروپ بنا لئے ۔وہ یونانی لوگ جو اپنے زوال کے بعد شہر چھوڑ چکے تھےاب سلطان کی اجازت سے واپس آ چکے تھے اور تجارت و کاروبار میں شریک ہو چکے تھے ،تمام مذاہب کے حاملین اپنے اپنے عقائد کے مطابق عبادت کرنے میں آزاد تھے۔[6] استنبول کی 30٪ آبادی مسیحیوں جبکہ 10٪ آبادی یہودیوں پر مشتمل تھی ۔[7]غیر مسلموں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور مختلف ملتوں کے معرضِ وجود میں آنے کے باعث سلطان محمد فاتح نے " طریقہ ملت "(Millet System) رائج کیا۔[8] اس نے جنادیوس کو بطریق مقرر کیا تو یونانیوں کے معاملات کی نگرانی بھی اسی کے حوالے کر دی تھی [9]۔اس طریقے کے مطابق ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے مسلک کے تحت اپنے باہمی تنازعات، قانونی معاملات، معاہدات جیسے شادی، طلاق اور وراثت جیسے معاملات کا اپنے مسلکی عقائد کے مطابق تصفیہ کروا لیا کرتے تھے. اس کے علاوہ یہ ملتیں اپنے حلقہ کے لوگوں سے ٹیکس بھی وصول کرتی تھیں یہ تمام فرائض جو حقیقتاً فرماں روائی کی خصوصیات میں داخل ہیں سلطنت عثمانیہ نے صراحت کے ساتھ ملتوں کو تقسیم کر دئیے تھےاور ان کی انجام دہی میں خود اپنی فوجوں سے ملتوں کی مدد کرتی تھی،جب ایک ملت کےممبران کے درمیان جھگڑاہوتا تو سلطان کی بجائے اس ملت کا اعلیٰ مجسٹریٹ جھگڑے کا فیصلہ صادر کرتا۔خود عثمانی بھی ایک

ملت تھے جس کا تعلق اسلا م سے تھااور وہ حکمران طبقہ تھا[10]۔ان تمام ملتوں میں سب سے زیادہ اہم ملت روم تھی ، جس کے حلقہ میں وہ تمام عیسائی رعایا شامل تھی جو مشرقی یا یونانی کلیسا کی پیرو تھی ، خواہ وہ سلطنت کے کسی حصہ میں آباد ہو اور اس کی مادری زبان کچھ بھی ہو ۔

21 فروری 1856ء کو سلطان عبد المجید نے خلافتِ عثمانیہ کے دوسرے اہم دستور کا اعلان کیا کہ رعایا کے مراتب و مذاہب میں کسی قسم کا امتیاز نہ ہو گا۔سلطان محمد فاتح اور اس کے جانشینوں نے جو حقوق بطریق کو عطا کیے تھے ان میں اس جدید حق کا اضافہ کیا گیااورطے کیا گیا کہ آیندہ بطریق کا انتخاب تمام عمر کے لیے ہوا کرے گا۔وہ تمام محصول اور چندے جو مختلف فرقوں کے پادری اپنی جماعتوں سے وصول کیا کرتے تھے ممنوع قرار دیئے جاتے ہیں ، مقررہ تنخواہیں بطریقوں ،اسقفوں اور تمام چھوٹے بڑے مذہبی عہدہ داروں کو ان کے مراتب اور خدمات کے لحاظ سے دی جائیں گی، پادریوں کی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔موجودہ کلیساؤں ، مدرسوں ، ہسپتالوں اور قبرستانوں کی مرمت کی عام اجازت ہے لیکن اگر کسی جدید کلیسا ، مدرسہ، قبرستان یا ہسپتال کے تعمیر کی ضرورت ہو گی اور بطریق یا اس کا مذہبی پیشوا اسے منظور کرے گا تو ہر جدید نقشہ باب عالی میں پیش کیا جائے گا اگر کوئی وجہ مانع نہ ہو گی تو سلطان نقشہ کوملاحظہ فرما کر تعمیر کی منظوری خود صادر فرمائے گا۔ہر فرقہ کو اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔[11]

ii. مذہبی آزادی

عثمانی خلفاء معتدل و متوازن سوچ کے مالک تھے ،انہوں نے مذہبی تعصُّب کو کبھی آڑے نہیں آنے دیا۔ان کی غیر مسلم رعایااپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے،اپنے رسم و رواج اور تہذیب و ثقافت میں آزاد تھی ۔ معروف مغربی مؤرخ ایور سلے(Eversley)کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

> "The Turks and the Hungarians were at war; George Brankovich sought out John Hunyadi and asked him, "If you are Victorious, what will you do?""Establish the Roman Catholic faith "was the answer. Then he sought out the Sultan and asked him, "If you come out Victorious, what will you do with our religion?", "By the side of every mosque shall stand a church and every man shall be free to pray in whichever he chooses" was the reply of Ottoman Sultan" [12]

> `"ترک اور ہنگری والے بر سرپیکار تھے ۔ جارج برنیکووچ نے ہنگری کے بادشاہ جان ہنیاڈی کو تلاش کیا اور اس سے پوچھا۔" اگر تم فتح یاب

ہوئے تو کیا کرو گے ؟ ہنیاڈی نے جواب دیا ، میں کیتھولک مذہب کوقائم کروں گا ۔ اس کے بعد برنیکووچ نے سلطان کو تلاش کیا اور اس سے پوچھا ، اگر تم کامیاب ہو ئے تو ہمارے مذہب کے ساتھ کیوں کر پیش آؤ گے ؟ سلطان نے جوا ب دیا ۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک گرجا ہو گا اور ہر شخص کو آزادی ہو گی کہ جس عبادت گاہ کو چاہے اختیار کرے۔"

عثمانی خلفاء کی اس صالح سوچ اور مذہبی رواداری کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے سلطان محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ پر قبضہ کیاتو غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ میں یونانی کلیسا کامحافظ وسرپرست ہوں اورعیسائیوں کی ایذارسانی کی سختی سے ممانعت کرتاہوں۔اُس نے ایک فرمان جاری کیا جس کی رُو سے قسطنطنیہ کے نئے بطریق اور اس کے جانشینیوں کو اور ان تمام اساقفہ کو ، جو اس کے ماتحت تھے ، تمام قدیم اختیارات اور ذرائع آمدنی جو ان کوگزشتہ حکومت میں حاصل تھے واپس کر دیئےگئے ۔ جن قواعد و ضوابط سے مستثنی تھے ، ان سے انہیں بدستور مستثنی رکھا گیا۔بطریق کو جس طرح عزت و وقار دیا گیا اس کا تذکرہ ٹی ۔ڈبلیو۔ آرنلڈ (T.W.Arnold) نےان الفاظ میں کیا ہے:

> “The first patriarch after the Turkish conquest received from the hands of the Sultan himself the pastoral staff, which was the sign of his office, together with a purse of a thousand golden ducats and a horse with gorgeous trappings, on which he was privileged to ride with his train through the city. But not only was the head of the Church treated with all their sect he had been accustomed to receive from the Christian emperors, but further he was invested with extensive civil power. The patriarch's court sat to decide all cases between Greek and Greek: it could impose fines, imprison offender sin a prison provided for its own special use, and in some case seven condemn to capital punishment: while the ministers and officials of the government were directed to enforce its judgments.”[13]

"ترکوں کی فتح کے بعد پہلا بطریق گناديوس تھا جس کو سلطان نے اپنے ہاتھ سے وہ عصا دیا جو اس کے منصب کا خاص نشان تھا ، ہزار اشرفیوں کی تھیلی کے علاوہ اسے ایک گھوڑا بھی دیا گیا جس کا سازو سامان بڑا پُر تکلف تھا اور جس پر سوار ہو کر وہ اپنے خدام کے ساتھ شہر میں نکل سکتا تھا ۔کلیسا کے پیشوا کا نہ صرف پورا پورا احترام کیا گیا جیسا کہ عیسائی قیصر ملحوظ رکھتے تھے بلکہ اسے وسیع

دیوانی اختیارات بھی دے دئیے گے ، مثال کے طور پر اس کی عدالت ان تمام مقدمات کا فیصلہ کرتی تھی جس کے دونوں فریق مسیحی ہوں .وہ جرمانے کی سزا دے سکتاتھا اور مجرموں کو اپنے خاص قید خانوں میں بند کر سکتا تھا۔ اسے بعض حالتوں میں سزائے موت دینے کا بھی اختیار حاصل تھا ۔ سلطنت کے وزیروں اورافسروں کو ہدایت تھی کہ وہ اس عدالت کے احکام اور فیصلوں کی تعمیل کریں۔"

خلافتِ عثمانیہ کی تعصُّب سے پاک سیاسی حکمتِ عملی کا ہی نتیجہ تھاکہ پندرہویں صدی کے آخر میں جب اسپین کے یہودیوں پر ظلم و ستم ہوا تو ان میں سے بے شمار لوگوں نے بھاگ کر ترکی میں پناہ لی ۔ انگریز سوداگر رجرڈ اسٹیپر جس نے 1578 عیسوی میں ترکی کا سفر کیا تھا، وہ لکھتا ہے:

"ترک تمام عیسائیوں کو ، جن میں یونانی اور لاطینی شامل ہیں ، اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں اور اپنے ضمیر کو آزادی سے استعمال کریں۔ان کی طرف سے عیسائیوں کو اجازت ہے کہ وہ قسطنطنیہ اور دوسرے بڑے شہروں میں اپنے گرجا گھروں میں عبادت کریں ۔اس کے برعکس اسپین میں بارہ برس کی اقامت کے بعد میں یہ بات سچے دل سے کہہ سکتا ہوں کہ اسپین میں نہ صرف کیتھولک فرقے کی رسوم کی پابندی کرنے پر مجبورتھے بلکہ ہمارا جان و مال بھی خطرے میں تھا ۔"[14]

iii.غیر مسلم رعایا کے اَموال و اَملاک کی حفاظت

عثمانیوں نے اسلامی تعلیمات کی تنفیذ کرتے ہوئے غیر مسلموں کے جان و مال کےمکمل تحفظ فراہم کیا .وہ اپنی جائیداد رکھ سکتے تھے اور اس کو اپنی مرضی سے خرید وفروخت کر سکتے تھے .اگر حکومت کو کبھی جائیداد کی ضرورت پیش آئی اورغیر مسلموں نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا تو اس پر تعرُض نہیں کیا گیا۔ بایزید یلدرم کے دور حکومت میں اس کی شاندار مثال موجود ہے،فیصلہ کیا گیا کہ برصہ میں ایک مسجد تعمیر کی جائے ،جہاں مسجد بنائے جانے کا فیصلہ ہوا ٹھیک اس جگہ پر ایک عورت کا گھر تھا ، اس عورت نے اپنا گھربیچنے سے انکار کر دیا ،جب مسجد تعمیر کر لی گئی تو گھر درمیان میں ہی رہا اورسالوں تک استعمال ہوتا رہا ،اس عورت کے وفات پانےکےبعدبھی

کئی سالوں تک استعمال ہوتا رہا۔[15]عثمانی خلفاء نے غیر مسلم رعایا کے جان و مال کا تحفظ کا انتظام بہت عمدہ طریقے سے کیا ۔اس کی بہترین مثال اس طرح ہے کہ جزیرہ خیوس کے رہنے والوں کے ذمہ غلطہ [16]کے ایک تاجر کا کچھ قرض تھاجس کی مالیت چالیس ہزار ڈاکٹ بنتی تھی ۔تاجر کا نام فرانسسکو ادرابیریو تھا ۔جب یہ شخص اہل جزیرہ سے قرض واپس لینے سے عاجز آگیا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ اس معاملے کو سلطان حل کر سکتا ہے کیو نکہ تاجر اس کی رعایا میں سے ہے ،رعایا کی حمایت کو دولت عثمانیہ فرض خیال کرتی ہے اور اُن کے جملہ حقوق پورا کرنااپنی ذمہ داری سمجھتی کرتی ہے ۔سلطان نے جزیرہ والوں کی طرف پیغام بھیجالیکن انہوں قرض واپس کرنے سے انکار کر دیا ۔ سلطان محمد فاتح نے تاجر درابیریو سے کہا :اہل جزیرہ کی طرِ ف تیرا قرض میں اپنے ذمہ لیتا ہوں ۔سلطان نے بحری بیڑے کو روانگی کا حکم صادر کیا اور خود ہی اس کی قیادت کرتے ہوئے جزیرہ خیوس (Chios)کے کسی قریبی جزیرہ پر جا پہنچا ۔ جزیرہ والوں نے لڑائی کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔مجبوراًخیوس والوں کو جینوہ والے تاجر کا قرض چکانا پڑا۔[17]

iv.عدل وانصاف

اسلام کے نظامِ معاشرت میں عدل و انصاف کو بڑا عمل دخل ہے ۔اس فریضہ کی ادائیگی میں مسلم و غیر مسلم کا کو ئی فرق روانہیں رکھا گیا۔[18] عثمانی خلفاء اپنی سلطنت میں عدل و انصاف قائم کرنے کے بڑے خواہش مند تھے ۔ انہوں نے اس کی تنفیذ کے لیے اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے غیر مسلموں کو نظر انداز نہیں کیا ۔عدل و انصاف کے قیام کو یقینی بنانے کے لئے وہ وقتاًفوقتاًبعض نصرانی مذہبی رہنماؤں کو بھیجتے تھے کہ وہ ملک میں گھومیں اور دیکھیں کہ ملک میں عدل و انصاف کی کیا صورت حال ہے ۔ان لوگوں کو پرمٹ دیا جاتا تھا جس میں ان کے کام کی نوعیت تحریر ہوتی تھی ۔یہ لوگ پوری آزادی کے ساتھ تفتیش کرنے کے مجاز ہوتے تھے اور ان پر کسی طرح کی پابند ی نہیں تھی ۔یہ اس لئے تھا کہ وہ اس بات کا پتہ چلا سکیں کہ مملکت کے امور کس طرح سر انجام دیئے جارہے ہیں ۔ عدالتوں میں نصرانی لوگوں کے ساتھ کس حد تک عدل وانصاف برتا جا رہا ہے ۔ان لوگوں کو مکمل آزادی حاصل تھی کہ وہ چھان بین کریں اور جو کچھ دیکھیں نوٹ کر کے سلطان کی خدمت میں براہ راست پیش کریں۔[19]عدل و انصاف کے حوالے سے خلافت عثمانیہ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ وہ اپنے مسلمان، دوست، رشتہ دار اور

قریبی خاندان سے تعلق والوں کی طرفداری نہیں کرتے تھے .ارطغرل نے اپنے بیٹے عثمان بانی دولت عثمانیہ کو قرہ جہ حصار میں قاضی مقرر کیا ۔عثمان نے ایک جھگڑے میں ایک مسلمان کے خلاف حکم سناتے ہوئے بیزنطینی کے حق میں فیصلہ کر دیا ۔بیزنطینی کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور اس نے عثمان سے پوچھا : آپ میرے حق میں کیسے فیصلہ دے سکتےہیں جب کہ میں آپ کے دین پر نہیں ہوں ، سلطان عثمان نے اسےجواب دیا ۔میں آپ کے حق میں کیسے فیصلہ نہ دوں جب کہ اللہ تعالی جس کی ہم بندگی کرتے ہیں ہم سے فرماتا ہےکہ امانتیں اُن کے اہل لوگوں کو پہنچا دو اور انصاف سے کام لو۔[20]خلافتِ عثمانیہ کا اپنی رعایا کومسلم و غیر مسلم کی تفریق کیے بغیر عدل و انصاف کی فراہمی ، قبولیت وبرداشت اور مساوی حقوق کی فراہمی دیکھ کر فرانس کے ایک سفیر جس نے قسطنطنیہ کا اس کی فتح سے اکیس سال پہلے دورہ کیا تھا ترکوں کے لیے بازنطینیوں کی عزت اورہمدردی کے بارے میں کہتاہے:

> "In my dealings with the Greeks I found out that they loved the Turks better than us, in any case I myself trust the Turks more than I do the Greeks because it seemed to me that the Greeks dislike the Christians belonging to the Rooman Chirch"[21]

> "یونانیوں کے ساتھ اپنے معاملات میں مجھے پتہ چلا کہ وہ ہماری نسبت ترکی سے زیادہ محبت کرتے ہیں، میں خود بھی یونان کی نسبت ترکی پر زیادہ یقین رکھتا ہوں کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ یونانی ان عیسائیوں سےنفرت کرتے ہیں جو رومن چرچ سے تعلق رکھتے ہوں۔"

v.ترقی کے مواقع کی یکسانیت

حکومت میں محض قابلیت اور کار گزاری کی بنیاد پر ترقی مل سکتی تھی۔ اہل یورپ کے طور طریقوں کے برعکس خاندان یا کسی اور اثر سے ترقی ملنے کا امکان نہ تھا ۔ یہی واحد اورمسلسل معیار ایسا تھا جس کی رو سے قابل ترین آدمیوں کوحکومت کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچنے کا موقع ملتاتھا۔اس میں مسلم و غیر مسلم کا فرق روا نہیں رکھا جاتا تھا۔بیرالڈلیم اس ضمن میں رقم طراز ہے:

> " جب ترکوں کو غیر معمولی اہلیت کا کوئی آدمی مل جاتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں گویا انہیں کوئی بیش بہا شے مل گئی ہے۔ وہ اس شخص کی خاطر مدارات میں بڑا غلو کرتے ہیں خصوصاً اگر یہ آدمی جنگ کا ماہر ہوتا ہو، ہمارا طریقہ اس سے بہت مختلف ہے۔ ہمیں اگر اچھا بازیا گھوڑا ملتا ہے تو ہم خوشی

سے پھولے نہیں سماتے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کرتے ہیں لیکن ہم کسی آدمی کی قابلیت کی قدر کرنا نہیں جانتے ۔ہم نہیں مانتے کہ اسے تعلیم و تربیت دینا ہمارا فرض ہے ۔ہم اچھے سدھے ہوئے گھوڑے یا کتے یا باز سےفائدہ اٹھانا اورانہیں استعمال کرنا جانتے ہیں ترک قابل آدمی سے کام لینا جانتے ہیں۔"[22]

vi.فوجی خدمت سے استثناء

اسلامی ریاست میں مقیم غیر مسلموں سے عام طور پر فوجی خدمات نہیں لی جاتی تھیں۔اسلام کو نظریاتی طور اپنانے والے ہی ریاست کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں ۔غیر مسلموں کے حوالے سے یہی بہتر سمجھا جاتا ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے تحفظ پر آنے والے اخراجات میں اپنا حصہ ادا کریں اور اس کے بدلے میں وہ اسلامی ریاست میں جان و مال کے تحفظ کے ساتھ زندگی بسر کریں ۔اس ضمن میں غیر مسلموں سے تحفظ کے معاوضہ میں ٹیکس لیا جاتا ہے جسے شرعی اصطلاح میں جزیہ کہا جاتا ہے ۔[23] مستشرق آرٹن جیکب پاشا بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ جزیہ کے ذریعے غیرمسلموں کو فوجی خدمت سے فراغت کی سہولت میسر آتی ہے۔[24]مستشرق کیرن آرم سٹرانگ اس ضمن میں غیر مسلموں کے اطمینان کی وضاحت ان الفاظ میں کرتی ہے:

" عیسائیوں ، یہودیوں اور دیگر مذہبی گروپوں کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت تھی لیکن انہیں تسلیم کرنا تھا کہ اسلام ریاستی مذہب ہے اور ملک میں سب سے برتر ہے ، انہیں ذمی یا زیر حفاظت لوگ کہا جاتا تھا ۔وہ مسلمانوں کے فراہم کردہ فوجی تحفظ کے صلے میں ایک ٹیکس ادا کرتے تھے جواس زمانے کا ایک معمول تھا ۔انہیں مسلح ہونے کی اجازت نہیں ہوتی تھی ۔اس کے علاوہ بھی انہیں دوسرے قوانین پر عمل کرنا ہوتا تھا ۔اہم اسکالرز نے نشاندہی کی ہے کہ یہ قوانین حقارت آمیز نہ تھے ۔ اور ان کے نفاذ میں سختی سے کام نہیں لیا جاتاتھا۔"[25]

جزیہ کے حوالے سے غیر مسلم شہری کوئی بوجھ اور ذہنی تناؤ محسوس نہیں کرتے تھے۔ ٹی ۔ ڈبلیو ۔ آرنلڈ کا بیان ملاحظہ ہو:

"Further, the Christian subjects of the Turkish empire had to pay the capitation-tax, in return for protection and in lieu of military service. The rates fixed by the Ottoman law were 2|, 5 and 10 piaster's a head for every full-grown male, according to his income, women and the clergy beingexempt.5 In the nineteenth century the rates were 15, 30and 60 piaster's, according to income^ Christian writers of the sixteenth and seventeenth centuries generally speak of this tax as being a ducat a head,' but it is also variously described as amounting to 3, 5 or 5 x 7/8crowns or dollars."[26]

"اس کے علاوہ ترک سلطنت کی عیسائی رعایا کو اپنی حفاظت کے معاوضے اور فوجی خدمت سے بری رہنے کے عوض جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا ۔عثمانی قانون کے مطابق جزیے کی شرح ہر بالغ مرد کے لیے اس کی آمدنی کے لحاظ سے اڑھائی ، پانچ یا دس پیاسٹر فی کس سالانہ کے حساب سے مقرر تھی ۔ عورتیں اور پادری لوگ جزیے کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے ۔انیسویں صدی میں آمدنی کے اعتبار سے جزیے کی شرح پندرہ ، تیس ، اور ساٹھ تھی۔ سولہویں اور ستر ہویں صدی کے عیسائی مصنفین نےاس ٹیکس کی شرح ایک ڈیوکٹ [27] فی کس بتاتے ہیں ۔لیکن اس کے برخلاف اس کی شرح تین ، پانچ یا 7/8 .5 کراؤن ڈالر بھی بتائی گئی ہے۔"

vii.ٹیکسوں کا کم سے کم بوجھ

کسی بھی حکومت کا مالیاتی نظام ٹیکسوں کے مرہونِ منت ہوتا ہےجو حالات کے مطابق رعایا پر ان کی حیثیت کے مطابق لگایا جاتا ہے ۔ ترک حکومت میں غیر معمولی ٹیکس جو ادا کرنا پڑتے تھے ان کی مقدار نہایت کم تھی۔ اس کے علاوہ غیر معمولی محصول وصول کیا جاتا تھا ۔ اس کی مقدار اور اوقات کا انحصار بُرے یا بھلے وقت پر تھا،مسلمانوں کو بھی اسی طرح ادا کرنا پڑتے جس طرح غیر مسلم ادا کرتے تھے ۔ اس میں ترکوں نے کسی تفریق کو روا نہیں رکھا تھا،عثمانی خلیفہ سلطان عبد المجید اول نے ۱۸فروری ۱۸۵۶کو "خط ہمایوں" کے نام سے ایک فرمان جاری کیا جس کے تحت 'جزیہ' کے پرانے قانون کو جو غیر مسلموں کے دوسرے درجے کے شہری ہونے کے لیے ایک علامت کی حیثیت رکھتا تھا، ختم کر کے اس کی جگہ "بدل عسکری" کے نام سے ایک متبادل ٹیکس نافذ کیا گیا جو اقلیتوں کی مساوی شہری حیثیت کے جدید جمہوری تصورات کے مطابق تھا۔[28]عثمانی خلفاء کی انسان دوستی ،فراخ دلی اور عدل و انصاف پر مبنی تنظیم حکومت اتنا پُرکشش تھی کہ جو لوگ ترکی کے قریب رہتے تھے وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہا کرتے کہ اپنے گھروں کو آگ

لگا کر ترکی حکومت میں جا بسیں۔ سلیمان کا ایک ہم عصر مصنف لکھتا ہے کہ میں نے ہنگری کے ہزاروں دہقانوں کو دیکھا کہ وہ اپنے جھونپڑوں میں آگ لگا کر مع بیوی ، بچوں ، مویشی اور آلات مزدوری کے بھاگ کر ترکی قلمرو میں پناہ گزیں ہوتے تھے ،یہاں پر وہ سمجھتے تھے کہ بجز ادائے عشر کے اور تکالیف اور مظالم سے ان کو نجات مل جائے گی۔[29]

viii.مسلم ۔غیر مسلم شادیاں

عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان معاشرتی تعلقات قائم تھے ۔ان میں کوئی قطعی حدِ فاصل نہ تھی ۔ عیسائیوں میں یہ ایک عام دستور تھا کہ عیسائی والدین اپنی بیٹیوں کو مسلمان لڑکوں سے بیاہ دیتے تھے اور عیسائی عورتوں کو بھی ایسی شادیوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا ۔ اس قسم کی مخلوط شادی کرنے کے بعد اگر لڑکا پیدا ہوتا تھا تو وہ مسلمانوں کی طرح پرورش پاتا تھا اور اگر لڑکی ہوتی تو وہ ماں کے مذہب کی پیروی کرنے کی مجازتھی[30]۔ البانیا کے بعض دیہات میں یہ رواج انیسویں صدی کے شروع تک جاری رہا ۔بعض دیہاتوں میں مسلمان عیسائی عورتوں سے شادی کرتے ہیں ۔اُن کے لڑکے نو مسلموں کی طرح تربیت پاتے ہیں لیکن لڑکیاں عیسائی ہوتی ہیں ۔ چنانچہ بھیڑ اور سور کا گوشت ایک ہی دستر خوان پر کھایا جاتا ہے۔[31] گرینڈچانسلر کنٹاکوزین نے اپنی بیٹی تھیوڈورا کی شادی سلطان اورخان سے کی اور سلطان نے مذہبی روا داری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی بیوی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا بلکہ اسے مسیحیت پر رہنے کی اجازت دے دی۔[32]

ix.تہواروں میں شرکت

دونوں قوموں کے باہمی تعلقات خوشگوار تھے ۔ ایک گاؤں کے رہنے والے عیسائیوں اور مسلمانوں کے خوشگوار تعلقات کی مثال یہ ہے کہ مسلمان عیسائی بزرگوں کے تہواروں میں شریک ہوتے تھے ۔چنانچہ مارکو کوبزی نے لکھا ہے کہ سینٹ الیاس کے موقع پر جس کے ساتھ البانیا والوں کو خاص عقیدت ہے ، گرجا میں اتنے ہی مسلمان موجود تھے جس قدر عیسائی ، البانیا کے مسلمانوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اب مریم عذر اور مسیحی اولیا ء کا نہایت احترام کرتے ہیں اور ان کے مزاروں پر زیارت کے لیے جاتے ہیں ۔ اسی طرح عیسائی لوگ بھی بیماریوں سے شفا پانے یا منتیں پوری کرنے کے لیے مسلمان بزرگوں کی قبر پر حاضری دیتے تھے ۔[33]

x.غیر مسلم رعایا کی عزت و تکریم

حسن سلوک اور رواداری کا تعلق مالی مدد ہی سے نہیں ، اخلاقی رویےسے بھی ہے .غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک میں یہ امر بھی شامل ہے کہ ان کے ساتھ بات چیت کرنے ، ملنے جلنے اور تعلقات میں اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ہو۔ ہر شخص کو اس کی سماجی اور معاشرتی حیثیت کے مطابق عزت و احترام کا مقام دیا جائے ۔ اس ضمن میں اسلامی تعلیمات سے بھی غیر مسلموں سے حسنِ سلوک کا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔[34]قاضی اسماعیل بن اسحاق کی خدمت میں ایک ذمی پہنچا تو انہوں نے اس کی عزت و توقیر کی۔حاضرین میں سے بعض نے اس عمل پر ناگواری کا اظہار کیا تو قاضی اسماعیل نے ایک آیتِ قرآنی کا حوالہ دے کر غیر مسلم رعایااور اُن سے انصاف کی اہمیت کو واضح کیا۔[35]

xi.معاشرتی میل ملاپ اور یکساں لباس

خلافت عثمانیہ میں مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ معاشرتی تعلقات بہت خوشگوار تھے ۔دونوں مذاہب کےلوگ یکساں لباس زیب تن کرتے تھے ،کوئی دور دراز سے آنے والا مسلم و غیر مسلم میں پہچان نہیں کر سکتا تھا ۔ غیرمسلم مفکرT.A.B. Spratt لکھتا ہے:

> " The social communication between the two communities was further signified by their common dress, as the Cretans of both creeds dressed so much hake that the distinction was often not even recognized by residents of long standing or by Greeks of the neighboring islands.[36]"

> "اکثر مسلمان عموما عیسائی لڑکیوں سے شادی بیاہ کیا کرتے تھے .بلکہ اس زمانے میں ان دونوں قوموں کا معاشرتی میل ملاپ اس بات سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا لباس ایسا یکساں تھا کہ وہاں مدت سےرہنے والے لوگ اور قریبی جزیروں کےیونانی باشندے بھی مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے تھے۔"

xii.یکساں قومی روایات

خلافت عثمانیہ میں مسلم و غیر مسلم کے درمیان ہم آہنگی پائی جاتی تھی ۔ ان میں مذہبی تعصُّب نہیں پایا جاتا تھا ۔ قومیت کے جذبے سے سرشار تھے ۔ چنانچہ اگر ترک قوم کے کسی شخص سے پوچھا جاتا کہ وہ کون ہے تو وہ اپنے آپ کو ایک شہری کی حیثیت سے متعارف کرواتا، عیسائی اور مسلمان دونوں ایک ہی زبان بولتے تھے، اسی طرح وہ ایک

سی روایات کو عزیز رکھتے تھے۔ ان کے رسوم و آداب بھی یکساں تھے ۔ ان کی مشترکہ قومیت کا رشتہ اس قدر مضبوط تھاکہ انہوں نے قوم کو مذہبی اختلافات کی بنا پر تقسیم نہیں ہونےدیا۔ واسا آفندی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"The Christian and Muhammad an Albanians alike, just as they speak the same language, so do they cherish the same traditions, and observe the same manners and customs ; and pride in their common nationality has been too strong a bond to allow differences of religious belief to split the nation into separate communities on this basis.”[37]

"البانیا کے مسلمان ایسے ہی البانوی ہیں جیسے عیسائی، وہ ایک ہی زبان بولتے ہیں ، ایک ہی طرح کے رسوم و آداب رکھتے ہیں، اور ان کی قومی روایات بھی یکساں ہیں ۔ البانیا کے مسلمانوں اور عیسائیوں نے کبھی ایک دوسرے سے نفرت نہیں کی اور نہ ہی ان کے درمیان صدیوں سے کسی طرح کی عداوت رہی ہے ،مذہب کے امتیاز نے ان میں کبھی کوئی تفرقہ پیدا نہیں کیا ، سوائے چند لوگوں کے مسلمان اور عیسائی ہمیشہ مل جل کر رہتے ہیں۔ ان کو مساوی حقوق حاصل ہیں اور ایک ہی طرح کے فرائض ادا کرتے ہیں۔"

4.خلاصۂ بحث

تمام گزارشات کاحاصل یہ ہے کہ بلاشبہ خلافت عثمانیہ تاریخِ اسلام کا سنہری دور ہے ۔اپنے عُروج کے دور میں تین براعظوں پر مشتمل چھ صدیوں تک قائم رہنے والی وسیع و عریض سلطنت میں ترک، کرد ، البانی ، یونانی ، ایرانی ، عرب اور جرمن ایسی بے شمار قومیں آباد تھیں ۔ ملت اسلامیہ کے علاوہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والی بیس سے زائدملتیں قائم تھیں۔عثمانی خلفاء نے انسان دوستی ، رحم دلی، عدل و انصاف ، اور مذہبی رواداری کی وجہ سے اس کثیر المذاہب معاشرے میں صرف مسلم اقوام ہی کے دل نہیں جیتے بلکہ غیر مسلم اقوام کو بھی اپنے قریب کیا ۔غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ سیاسی اور تجارتی تعلقات قائم کیےجو نہایت خوشگوار تھے۔غیر مسلم رعایا کو حقوق کی فراہمی کے سلسلے میں قوانین مرتب کیے، اس کی رُو سے ان کے نکاح، شادی ، وراثت اور پیدائش کا اندراج ان کی اپنی ملتوں میں ہوتا تھا۔تما م ملتوں کے لیے الگ سے عدالتیں قائم تھیں جہاں وہ اپنے مقدمات کے فیصلے اپنے مذہبی رہنما کے زیرِ اہتمام کروانے میں آزاد تھیں۔بغیر کسی مذہبی تعصُّب کے غیر مسلم رعایا کواپنے مذہب کے

مطابق عبادت کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی۔پرانے عبادت خانوں کی مرمت کرنے، مزیدنئے عبادت خانے تعمیر کرنے کی اجازت ہوتی تھی اور ان کی تعمیر کے لئے مسلمانوں سے مالی امداد وصول کر لیا کرتے تھے۔ جان و مال کے تحفظ کے بدلے میں کم سے کم ٹیکس وصول کیا جاتا تھا ، اس کی وصولی کو آسان تربنایا گیا تھا ۔ فوجی خدمات سے استثنٰی حاصل تھا لیکن اس کے بدلے سالانہ جزیہ وصول کیا جاتا تھا جو ان کی حیثیت کے مطابق ہوتا تھا، اس کی مقدار انتہائی قلیل تھی۔مسلم و غیر مسلم رعایا آپس میں انتہائی خوشگوار معاشرتی میل جول رکھتے تھے،مسلمان لڑکے غیر مسلم لڑکیوں سے شادی کر لیاکرتے تھے ،ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا تھا ،ایک جیسا لباس زیب تن کرتے تھے ، ایک ہی زبان بولتے تھے ، ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شرکت کیا کرتے تھے ، ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا یا کرتے تھے ، ایک دوسرے کے تہواروں میں شرکت کرتے تھے ، ایک طرح کے رسم و رواج اپناتے تھے ، باہمی عزت و آبرو کا پورا خیال رکھا کرتے تھے،دونوں کو یکساںحقوق حاصل تھے،مسافر لوگ عام حالات میں دیکھ کر مسلم و غیر مسلم میں فرق نہیں کر سکتے تھے ، اسی عدل و انصاف ، تحفظِ جان و مال ، برداشت اور رواداری کے باعث ارد گرد کی ریاستوں کے بہت سے غیرمسلم لوگ خلافتِ عثمانیہ میں ہجرت کر آئے تھے۔ الغرض عثمانی خلفاء نے غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک ، فراخ دلی اورہمدردی کو فروغ دے کر انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں شاندار کردار ادا کیا ۔ دور جدید میں عالمی سطح پر مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے تاریخِ انسانی کے اس مثالی دور میں قائم ہونے والے مسلم ۔ غیر مسلم تعلقات اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج سے استفادہ کرنےکی اشد ضرورت ہے۔

حواشی و حوالہ جات

[1] الممتحنۃ 8:5۔

[2] Stanley lane Poole, “Turkey” (New York: G.P.Putnam's sons, 1888) page:9.

[3] آزاد ، ابو الکلام ، مولانا ، مسئلہ خلافت ،(ناشر ، مکتبہ جمال ،لاہور ، 2006ء)ص : 126۔

[4] A.H. Lybyer ,The Government of the Ottoman Empire in the time of Suleiman the magnificent, (Cambridge Harvard University Press London: Henry Frowde Oxford University Press 1913),.P 45

[5] شبلی نعمانی، سفرنامہ روم ومصروشام،(مہتاب پریس،دہلی) ،ص76

[6]Danismend, Ismail Hami, (1953), Importance of the Conquest of Istanbulfor Mankind andCivilization, (Istanbul, Istanbul Matbaasi)P:35-

[7]Eversley, Lord, (1959), The Turkish Empire, (Lahore Premier Book House),P:95-

[8] " لفظِ ملت" کا استعمال قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہےمگر خلافت عثمانیہ میں یہ "ذمیوں" کی طرف اشارہ کرتا ہے. اس کا بنیادی مقصد ،ہل الذمہ،کے حقوق کا تحفظ تھا ۔یہ محکمہ حکومتی سطح پرنہایت اہم تھا۔

[9] ولیم سپنسر ، ترکی سر زمین اور باشندے ،مترجم :غلام رسول مہر،(پبلشر، فکشن ہاؤس لاہور،2000ء)،ص:50۔

[10] م۔ن، ص:51 ۔

[11] ڈاکٹرمحمد عزیر ، تاریخ دولتِ عثمانیہ(ناشر، ناصر شہزاد پرنٹرز، لاہور، 2014ء)ج:2، ص:77۔

[12] Eversley,Lord, (1959), The Turkish Empire, p. 95.

[13] Arnold, T. W., (1896. rpt., 1979), The Preaching of Islam: A History of the Propagation of the Muslim Faith, Sheik Muhammad Ashraf, Lahore,P:149.

[14] M. Epstein: The Early History of the Levant Company,(London,1908)،P:57.

[15] Danismend, Ismail Hami, (1953), Importance of the Conquest of Istanbul for Mankind and Civilization, (Istanbul, Istanbul Matbaasi),P:48.

[16] غلطہ شہر استنبول میں واقع ہے،یہ سیاحوں کے لئے بڑا پُرکشش ہے۔

[17] محمد مصطفےٰ صوت ، سلطان محمد فاتح ،مترجم : شیخ محمد احمد پانی پتی ، (زاہد بشیر پرنٹرز ، لاہور ، 2013ء)ص: 21۔

[18] ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الاتعدلوااعدلوا۔ المائدہ 8:5۔

[19]محمدعلی اصلابی، تاریخ الدولۃ العثمانیۃ عوامل النہوض و اسباب السقوط، (مکتبۃ العبیکان ، بیروت)ص:146۔

[20]النساء58:4۔

[21] Danishmand, Ismail Hami,(1953),Importance of the Conquest of Istanbul for Mankind and Civilization, P.27.

[22] بیرالڈلیم ،سلیمان عالی شان، مترجم: مصباح سرفراز، (جمہوری پبلی کیشنز، لاہور ، 2012ء) ص: 80-81۔

[23] الرغب الاصفہانی ، المفردات فی غریب القرآن، محمد بن عبدالرؤف ،(دار الفکر ، بیروت ، 1990 ء)ص:30۔

[24] Artin, Jacob Pasha, England in Suden,(London, 1911)Translated by George Roob،P:210-

[25] کیرن ، آرم سٹرانگ ، مقدس جنگ ، مترجم :محمد احسن بٹ،(نگارشات پبلشرز ، لاہور، 2007ء)ص: 68۔

[26] T.W. Arnold, The Preaching of Islam, P.153.

[27] ڈیوکٹ قدیم زمانے میں کئی یورپی ممالک میں رائج طلائی سکہ ڈھائی روپے کا چاندی کا سکہ، جس کی مالیت تقریباً ۹ شلنگ ہوتی تھی۔

[28] ڈاکٹرمحمد عزیر ، تاریخ دولت عثمانیہ ، ج:2، ص:78۔

[29] م۔ن، ج : 2،ص:110۔

[30] T.W. Arnold, The Preaching of Islam, P.170-

[31] W.M. Leake, " Travels in Northern Greece،(Landon, 1835),G 2, P 49-

[32] ڈاکٹرمحمد عزیر ، تاریخ دولت عثمانیہ ، ج:1، ص:34۔

[33]یہاں چند چیزیں غور طلب ہیں ۔ کیا مسیحی بزرگوں کے مزاروں پر ایک مسلمان کے لیے جائز ہے ؟ اور کیا غیر مسلم کو دعا دی جاسکتی ہے ؟ تو اس سلسلے میں حضو ر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں رہنمائی موجود ہے۔ حضرت قتادہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی ۔ اس نے وہ پیش کی تو آپ صلی اللہ ولیہ و سلم نے اسے دعا دی کہ اللہ تمہیں حسین و جمیل رکھے ۔ چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ ہے ۔ روایت کے الفاظ

اس طرح ہیں۔" ایک یہودی نے پینے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو بکری کا دودھ دوہ کر پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے اسے دعا دی کہ اللہ تمہیں حسین و جمیل رکھے "۔ (عبد الرزاق ، ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی ، المصنف ، ج 10 ، ص 392)۔

[34] الممتحنہ8:60۔

[35] ابو بکر ، محمد بن عبداللہ ، المعروف ، ابن عربی ،احکام القرآن ،(دارالکتب العلمیہ بیرو ت ، لبنان ، 2003ء)ج :1 ، ص :228۔

[36]T.A.B. Spratt: Travels and Researches in Crete,(London, 1865) vol.i.P:47.

[37] Wassa Effendi: Albanien und die Albanesen, (Berlin, 1879),P:59.